عربی شعراء میں ایک ابن فارض ہی ایسے شاعر گذرے ہیں جن کا شاہ عبداللطیف بھٹائی سے موازنہ کیا جاسکتا ہے۔

ابن فارض کا نام عمر بن ابوالحسن ہے وہ مصر میں پیدا ہوئے اور وہیں انہوں نے انتقال فرمایا۔ ان کے والد نے ان کی تربیت کی جو نہ صرف صوفی تھے، بلکہ ایک متقی اور پرہیزگار عالم بھی تھے، چنانچہ ابن فارض کو بچپن ہی میں اچھا ماحول میسر آیا اور ذکر و فکر والے گھرانے میں ان کی نشوونما ہوئی[1]

اسی طرح بھٹائی صاحب شاہ عبدالکریم بلڑی والہ جیسے سرتاج الاولیاء کے پرپوتے سید حبیب اللہ کے گھر میں پیدا ہوئے۔ سید حبیب ایک باکمال عارف اور واصل باللہ ولی تھے۔ ایسے نیک اور پاکیزہ ماحول میں پرورش پانا، شاہ صاحب کی فطری صلاحیت کو ابھارنے اور باطن کو جلا دینے میں بڑا ممد ثابت ہوا۔

ابن فارض نے اپنے زمانے کے مدارس میں تعلیم پائی۔ انہوں نے فقہ شافعی میں اچھی شہرت حاصل کی اور علم حدیث، ابن عساکر جیسے محدث اور امام سے حاصل کیا۔ جب خلوت نشینی اور اصفیاء کے طریقے پر چلنے اور ریاضت کا شوق پیدا ہوا تو آپ جملہ کاروبار چھوڑ کر بیابانوں، صحراؤں جنگلوں اور پہاڑوں میں گھومنے لگے، وہ کبھی تو غاروں میں اللہ اللہ کرتے اور کبھی ویران مساجد میں عبادت الٰہی میں مستغرق ہو جاتے وہ اکثر جنگلوں اور پہاڑوں کو طے کرکے اپنے والد کی زیارت کے لئے آتے تھے اور پھر والد سے رخصت لے کر خلوت میں چلے جاتے تھے، انہوں نے اپنے اکثر اشعار اسی حالت میں لکھے ہیں[2]

شاہ بھٹائی کی ابتدائی زندگی بھی ابن فارض کی طرح جنگلوں اور پہاڑوں میں گذری، انہوں نے کتنی تعلیم حاصل کی اس کے متعلق کوئی کتابی سند پیش نہیں کی جاسکتی، لیکن جہاں تک ان کے کلام کا تعلق ہے، اس کو دیکھ کر یہ رائے بآسانی قائم کی جاسکتی ہے کہ وہ ظاہری علم سے آراستہ

---

[1] الشعر الصوفی طبع بیروت

[2] شذرات الذہب ابن عماد حنبلی ج ۵ ص ۱۴۹

ہونے کے ساتھ ساتھ باطنی علم کے بحر بے کنار تھے، اور ان کے باطن کو الٰہی تجلی نے جلا بخشی تھی۔ باقی جنگلوں اور پہاڑوں میں سیر کرتے ہوئے دوست کی یاد میں گنگناتا رہنا تو کوئی شاہ بھٹائی سے سیکھے! یہ آپ کا اہم مشغلہ تھا۔ کلاچی۔ وندر، پب، باڑھو، ہنگلاج، لاہوت، لاڑ، گنجو ڈونگر، گرنار، گجرات اور دوسرے مقامات کی وہ اکثر سیر کرتے رہے! وہ خود فرماتے ہیں۔!

دیٹون پب پھي کيرون کاھوڙن جون
آئون تن ڏوڻ جو، پچان پيرپھي،

وڃين رات رھي، ڏونگر جن ڏوريا
(کاھوڙي)

پيو جن پرو، گنجي ڏونگر گام جو
چڏي کيٹ کرو، وڃي لاھوتي ٿيا
(کاھوڙي)

رسالہ شاہ کی جدا جدا داستانوں میں ایسے بیسیوں اشعار ملیں گے جن میں ان مقامات کی سیر و سیاحت اور زیارت گاہوں کا ذکر کیا ہے۔

ابن فارض کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ وہ عنفوان شباب میں ایک عورت پر عاشق ہوئے اور اس طرح مجازی عشق کی لپیٹ میں آگئے۔ اور اس کے فراق اور جدائی میں آہ و بکا کرتے رہے لیکن جلد ہی اس مرحلہ سے گذر کر آگے بڑھے اور ان کی نگاہ ملاء اعلیٰ کو پہنچ گئی [1]

شاہ بھٹائی بھی مجازی عشق و محبت کی لپیٹ سے بچ نہ سکے۔ عنفوان شباب میں عشق و محبت کے جذبے کا ہونا ایک فطری امر ہے، شاہ صاحب بھی جب اس عمر کے تھے تو آپ کو ایک امیر مرزا بیگ کے دولت کدہ پر اس لئے بلایا گیا کہ اس کی ایک دختر نیک اختر کیلئے جو کہ بیمار تھی دعا کریں۔ لڑکی نہایت خوبصورت تھی اور وہ اگرچہ کپڑوں میں مستور تھی لیکن

---

[1] الشعر الصوفی طبع بیروت

شاہ کی اچانک اس کے حسین چہرے پر نگاہ پڑ گئی اور وہ اس پر فریفتہ ہو گئے اس سلسلے میں شاہ صاحبؒ نے بڑی تکالیف دیکھیں، لیکن آگے چل کر الٰہی جمال کے جلوہ کو پاکر ظاہری حسن سے مستغنی ہو گئے۔ ویسے بھی یہ دستور ہے کہ جن انسان کے دل کے پردوں میں محبت اور اشتیاق کے انوار پہنچے ہیں وہ دل اللہ سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

کٿو مطالعہ مون، هو جو ورق وصال جو

تہ ۾ تنهين تون، ٻيو لات نہ لکي جيتري

میں نے جب ورق وصال کا مطالعہ کیا تو صرف تو ہی اس میں نظر آیا۔ اس میں ایک رتی بھر بھی دوسری آواز نہیں ہو سکتی۔

تصوف بذات خود محبت کا نام ہے۔ منصور حلاج محبت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ کی ذات خود محبت ہے، اصفیاء کے سرگروہ شیخ جنید بغدادی محبت کے معنی بیان کرتے ہیں ـ" اللہ کے ساتھ تیری معیت بلا کسی علاقے کے"۔ صوفیوں نے الٰہی محبت کا نظریہ اصل میں افلاطون کے کلام سے لیا ہے۔ صوفی بلا کسی مادی غرض کے حسن و جمال کی مدح و توصیف کرتا ہے۔ اور وہ اس میں مطلق جمال کا متلاشی ہوتا ہے۔

ابن فارض اگر دوسرے صوفیوں کی طرح صرف صوفی ہوتے تو شاید ان کی اتنی شہرت نہ ہوتی جو ان کی شاعری کی وجہ سے ہے، عربی کے بعض ادباء نے ان کی اس طرح تعریف کی ہے۔

" ابن فارض تمام دنیا میں عشاق کا سردار کہلاتا ہے۔ اس کے موافق یا مخالف سب کے سب اس کو اپنے دور کے شعراء کا سردار مانتے ہیں، وہ جملہ اصفیاء میں بڑے شاعر تھے اور محسنات بدیعیہ کے استعمال میں بے نظیر تھے۔ عربی زبان پر قدرت کاملہ رکھتے تھے۔ اور اس دور میں لغت کے حفظ میں آپ کا کوئی مدمقابل نہ تھا[1]

اب آیئے! بھٹائی صاحب کو دیکھیں! وادیٔ مہران شروع اسلام سے اولیاء اللہ اور اصفیاء کا وطن رہا ہے۔ یہاں بے شمار سالک باصفا گزرے ہیں، جن میں سے متعدد

---

[1] معجم المطبوعات العربیۃ والمصریۃ، الشعر الصوفی، ص ۸۹

چند ایسے ہیں جن کا کچھ تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے، ورنہ اکثر تو ایسے ہیں کہ گوشہ گمنامی میں رہے اور آج کسی علمی اور ادبی مجلس میں ان کو یاد نہیں کیا جاتا، لیکن شاہ بھٹائی اپنے کلام کی وجہ سے لافانی شہرت کے مالک ہیں، وادی مہران میں کوئی شہر یا گاؤں ایسا نہ ملے گا جہاں شاہ کے شعر سننے میں نہ آئیں۔ شاہ فنی خوبیوں اور شاعرانہ استعداد میں نہ صرف سندھی گو شاعروں سے سبقت لے گئے بلکہ دوسری زبانوں میں بھی شاہ بھٹائی جیسے شاعر کم ملیں گے بے شک ابن فارض کے کلام میں بڑے صنائع بدایع ہیں، لیکن شاہ صاحب کے ہاں جو تمثیلیں، واقعہ نگاری، فطری جمال اور انسانی حسن کی تصویریں، الفاظ کا برمحل استعمال، تشبیہات کی سادگی اور صنائع و بدائع کی عمدگی ہے، اسے دیکھ کر ابن فارض کا کلام نظروں میں نہیں جچتا۔

ابن فارض درحقیقت ایسے دور میں پیدا ہوئے جس میں لفظی محاسن کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اس لئے وہ تشبیہات اور استعاروں پر بہت زور دیتے ہیں، اس کے باوجود اس کے غزلی قصائد قابل تعریف نہیں ہیں، لیکن ان کے اشعار میں چونکہ تصوف کے رموز و اشارات آگئے ہیں اس لئے باوجود شعری کمزوریوں کے ان کے اشعار بہت مقبول ہوئے۔

شاہ بھٹائی کا دور محاسن لفظی کا دور نہ تھا۔ لا محالہ موضوع کی وسعت اور الفاظ کی محدودیت کی بنا پر شاہ صاحب کو رموز و اشارات سے کام لینا پڑا۔ مگر یہ رموز و اشارات ایسے نہیں ہیں کہ ان سے پڑھنے والے کا دماغ کوئی بوجھ محسوس کرے، کیونکہ ان کو قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے اس لئے عوام یا خواص سب کے سب شاہ کے کلام سے لطف اندوز ہوتے ہیں، یہی سبب ہے کہ شاہ بھٹائی ایک صوفی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عوامی شاعر بھی کہلاتے ہیں۔

ابن فارض کے قصیدہ تائیہ پر بعض علماء نے حلول اور الحاد کی تہمت رکھ کر ان کے خلاف کفر کا فتوی صادر فرمایا، ایسے وجودی صوفی اور عشاق پر ظاہر بین علماء کی طرف سے کفر کے فتوی کا صدور کوئی نئی بات نہیں ہے، ابن فارض کے ساتھ ساتھ شیخ ابن عربی، عفیف تلمسانی قونوی، ابن ہود، ابن سبعین اور ان کے شاگرد ششتری، ابن مطفر اور صفار کے خلاف بھی اسی طرح کفر کے فتوے صادر ہوئے۔ صاحب کشف الظنون ملا چلپی "قصیدہ تائیہ"

کے تحت لکھتے ہیں۔ بعض لوگوں نے ابن فارض کے کلام کی بڑی تعریف و توصیف کی ہے۔ اور اس کے مشتبہ ابیات کا مطلب واضح کر کے ظاہری معنی سے عدول کیا ہے اور کچھ علماء اس میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ اور انہوں نے ابن فارض کے کلام کو کفر سے منسوب کیا ہے اور علماء کی ایک تیسری جماعت ایسی بھی ہے جو خاموش رہی اللہ والوں کی شطحیات کے متعلق یہی رائے اچھا ہے۔

بھٹائی صاحب اگرچہ وجودی مسلک کے صوفی تھے۔ لیکن آپ کا کلام شطحیات اور دوسری خرافات سے قطعاً مبرا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے دور میں مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی جن کے قلم سے مخدوم محمد معین جیسے محدث اور صوفی عالم بھی بچ نہ سکے اور الحاج فقیر اللہ علوی شکارپوری (جنہوں نے شاہ عنایت صوفی کی شہادت کی خبر سن کر شکریے کے نفل ادا کئے) جیسے متشرع عالم موجود تھے لیکن ان میں سے کسی نے بھی شاہ بھٹائی کے خلاف کچھ نہ کہا، شاہ بھٹائی اپنی بات کچھ اس طریقے سے کہہ جاتے ہیں کہ آپ کے کلام پر کوئی گرفت نہیں ہو سکتی۔

پا ئِ کان کمان ۾، میاں! مار نہ موں

موں ۾ آھین توں، متاں تنھنجو ئِ توکي لڳي

یعنی تیر کو کمان میں لگا کر مجھے نشانہ نہ بناؤ۔ کیونکہ تو تو میرے اندر موجود ہے۔ کہیں یہ تیرا تیر تجھ کو نشانہ نہ بنائے۔

ابن فارض نے اپنے اشعار میں صوفیوں کی مثالی محبت کی تصویر پیش کرتے ہوئے ازلی حقیقت کی تلاش کی ہے۔ ان کے اشعار ظاہری طور پر حلول اور اتحاد کے خیالات سے ملتے ہیں لیکن انکی نوعیت حلاج اور ابن عربی کے افکار سے الگ ہے ان کے ہاں حسن و جمال ایک باقی رہنے والی چیز ہے اور اس کا ادراک اس میں فنا ہونے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ گو اس حسن و جمال ازلی کا کوئی مکان نہیں، لیکن وہ ذات حق کی گہرائیوں میں رہتا ہے، ابن فارض کے اشعار میں افلاطون اور افلاطونیہ جدیدہ کی کچھ باتیں ملتی ہیں اور ہندوستان کے صوفیاء کرام کے نظریئے بھی ان کے کلام میں پائے جاتے ہیں، لیکن ان کے اشعار میں "انا" یا خودی کا بیان اس طرح وضاحت سے پایا جاتا ہے جو کسی دوسرے صوفی شاعر کے ہاں نہیں ملتا[1]

---

[1] الشعر الصوفی طبع بیروت

یہ مسئلہ نہایت عمیق اور گہرا ہے۔ فلسفی موشگافیوں اور اصطلاحات کو چھوڑ کر اگر مقصد اور ظاہر کو دیکھا جائے تو اس میں بھی شاہ بھٹائی کا کلام ممتاز نظر آئے گا۔ کسی بھی شاعر کے صحیح اور اصلی مقصد کو معلوم کرنے کے لئے شاعر کے ماحول کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے، شاعر اپنے ماحول کی پیداوار ہوتا ہے، ابن فارض نے ایسے دور میں اپنا پیغام اور فکر پیش کیا جس میں اجنبی حکومتوں کی طرف سے اسلامی ملکوں پر حملے ہو رہے تھے۔ اسی طرح ان ملکوں میں کچھ داخلی پریشانیاں بھی تھیں۔ بغرض شرق عربی پر مسیحیوں کا صلیبی لشکر بڑھ رہا تھا، اس کے شہر جنگوں کے مرکز بن چکے تھے، اسلامی ممالک کا آپس میں نام کا تعلق رہ گیا تھا۔ بغداد کے خلیفۃ المسلمین بھی نام کے خلیفہ تھے۔ بالکل یہی حالت شاہ بھٹائی کے سامنے تھی۔ وادی مہران کے کلہوڑے حکمران ملک کی آزادی اور سلامتی برقرار رکھنے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے، دہلی کی مغلیہ حکومت نام کی رہ گئی تھی۔ نادر شاہ اور اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے ملک میں افراتفری مچا رکھی تھی۔ یہ وطن عزیز کے لئے بڑے پرفتن دن تھے ایک طرف وطن کی سلامتی کا سوال تھا اور دوسری طرف زبان کی بقا و حفاظت ضروری تھی اس پرفتن دور میں شاہ کا پیام امن سلامتی اور اتحاد کا پیام تھا۔ اور الٰہی رحمت کی صورت میں لوگوں کے دلوں پر برسا، لوگوں میں جذبہ مذہب کے ساتھ جذبۂ حب وطن ابھارنے میں یہ بڑا موثر ثابت ہوا۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

امام ابن تیمیہ رح

طفیل احمد قریشی

تاریخ اسلام میں چند ہستیاں ایسی بھی گذری ہیں جو بیک وقت فکری اور سیاسی انقلاب کے بانیوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ورنہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک عالم مفکر بھی ہو اور مدبر بھی اچھا سیاست داں بھی ہو اور میدان کارزار کا اچھا سپاہی بھی۔ وہ فکری انقلاب کے ساتھ ساتھ سیاسی انقلاب کا داعی بھی ہے۔ اس کی عمر کا بیشتر حصہ جہاں مسند تدریس پر گذرا ہو وہاں اس نے میدان جنگ میں داد شجاعت بھی دی ہو۔ وہ علمی مجالس کا روح رواں بھی رہا ہو اور تنگ و تاریک محبس کا ایک بے سروساماں اسیر بھی۔ ان منتخب ہستیوں میں ایک امام ابن تیمیہ ہیں۔ جو تاریخ میں ہمارے لئے وہ گہرے نقوش چھوڑ گئے ہیں جن سے علمی، فکری اور سیاسی میدانوں میں آج بھی رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

حالاتِ زندگی

امام ابن تیمیہ کا پورا نام تقی الدین ابوالعباس احمد بن شہاب الدین ابوالمحاسن عبدالحلیم بن مجدالدین ابوالبرکات عبدالسلام بن ابو محمد عبداللہ ابن ابوالقاسم الخضر بن محمد بن الخضر بن علی بن عبداللہ ابن تیمیہ ہے۔ وہ دس ربیع الاول ۶۶۱ھ سرزمین شام کے شہر حرّان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں، جہاں ہر طرف علم و فضل کی مجالس برپا تھیں اور قال اللہ اور قال الرسول سے خلق خدا اس گھرانے سے فیض یاب ہوتی تھی۔ اس گھرانے کے اکثر افراد عالم ہوتے تھے۔ چھوٹے اور بڑے